عصرِ حاضر میں اسلامی اقدار کی مناسبت

از مولانا رحمت اللہ قاسمی۔ انڈیا

عصرِ حاضر سے اسلامی اقدار کی مناسبت" کا مسئلہ آج کل جگہ جگہ موضوع بحث بنا ہوا ہے اور ایسی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ بین الاقوامی سطح سے لے کر ایک فرد کی نجی زندگی تک اس کا اثر پہنچ چکا ہے۔ اس موضوع پر اس وقت خوب قلمی اور زبانی معرکے گرم ہو رہے ہیں۔ اور ہر شخص اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ "خالق عقل" اور "حکیم کل" کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کئے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ وقت کے محدود ہونے کی بنا پر اس وسیع موضوع پر مکمل یا تفصیلی بحث تو اس وقت ناممکن ہے البتہ اپنی مختصر معلومات کے پیش نظر اس سلسلے میں کچھ باتیں گوش گزار کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

اسلام جن تعلیمات، عقائد، تہذیب و تمدن اور آسمانی اصولوں کو لے کر آیا ہے ان کے بارے میں خود اس نے اعلان کیا ہے کہ یہ کامل مکمل اور ابدی ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان عام ہوا کہ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ)
آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کی۔

جب ان اصولوں کو کامل قرار دیا گیا تو ان کا ہر دور کی تمام ضرورتوں پر حاوی ہونا لازمی بن جاتا ہے تاکہ کوئی بھی شعبہ کسی بھی وقت تشنہ نہ رہے۔ چنانچہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر رہنمائی کرنے والے اصول موجود ہیں اور صرف رہنمائی ہی نہیں کرتے بلکہ یہ زندگی کے نگراں بھی ہیں کہ غلط راہ پر گامزن ہونے سے روکتے ہیں۔ آج کل اس بات کا دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ موجودہ سائنسی دور میں ان اصولوں پر عمل مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اور دلیل میں اس وقت کے عام مسلمانوں کے حالات کو پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے اگر کسی نظریہ کے ماننے والے اس نظریہ کے اصولوں کو اپنے لئے مشعلِ راہ نہیں بناتے اور ان کو اپنی زندگی میں نافذ نہیں کرتے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ نظریہ یا مذہب یا اس کے اصول غلط ہیں بلکہ اس کو اس مذہب کے ماننے والوں کی غلطی کہا جائے گا۔

اسلام وہ دین ہے جس نے انسان کے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ نیز مذہبی امور کے ساتھ ساتھ سیاسی، سماجی اور اقتصادی ضروریات کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے اور یہ رہنمائی ہر وقت اور ہمیشہ اس وقت ملتی ہے جب اس کو تلاش اور طلب کیا جائے۔ سائنسی اور غیر سائنسی تمام ادوار میں اس کے اصول تعلیمات اور اقدار بالکل موزوں مناسب اور قابل عمل ہیں۔ بلکہ میں نے اپنے اساتذہ شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مقولہ بارہا سنا ہے کہ فلسفہ قدیم میں تو اسلامی نظریات کے ساتھ کہیں کہیں تضاد پایا جاتا تھا۔ لیکن فلسفہ جدید اور سائنسی تحقیقات، اسلامی اقدار کی تائید ہی کریں گے۔ یہاں پر مجھے اسلامی اقدار کی موزونیت اور مناسبت بیان کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ جو عام انسانیت سے متعلق ہیں۔

تعلیم و تربیت | اسلام نے بنیادی طور پر تعلیم پر انتہائی زور دیا ہے۔ یہاں یہ بنیادی نقطہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اسلام تعلیم کو عبادت قرار دیتا ہے۔ ذریعہ معاش یا تجارت نہیں۔ عرب کے اس ماحول میں جہاں تعلیم یافتہ افراد کا تناسب مشکل سے ایک یا دو فیصد تھا۔ دعوت ایمان کے بعد سب سے پہلے تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی اور تا ابد یہ پیغام باقی رہے گا۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (زمر)

کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی نہیں ہو سکتے)

اور کسی خاص عدد یا ذات کے لئے یہ تاکید نہیں ہے۔ بلکہ ہر فرد کو اس کا مکلف قرار دیا گیا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ بوڑھا ہو یا جوان جب تک معاشرے کے سو فی صد افراد علم سے بہرہ ور نہیں ہوتے تب تک یہ ذمہ داری ختم نہیں ہو سکتی۔ اور کسی خاص طبقے پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ بلکہ ہر آدمی اپنی جگہ پر اس بات کا جواب دہ ہے کہ وہ جو کچھ جانتا تھا دوسروں تک پہنچایا کہ نہیں؟

حضورؐ نے صاف اعلان فرمایا:-

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (الحدیث)

اگر تمہاری ایک ہی بات کا علم ہو تو اس کو دوسروں تک پہنچا دو۔

نیز مزید فرمایا:-

بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (الحدیث)

مجھ کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

پھر صرف تعلیم ہی کو مقصد نہیں بتایا گیا۔ بلکہ واضح کر دیا گیا کہ عمل کے بغیر چارہ کار نہیں بلکہ صرف بلند بانگ دعووں سے کچھ نہ ہوگا۔ بلکہ عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ غرض تربیت کو تعلیم کا جزو لاینفک قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے اساتذہ، درسگاہوں، کتابوں اور تعلیم کے انتظام میں معاون افراد حتیٰ کہ کاغذ کے پرزوں تک کی تکریم اور احترام کرنے کو کہا گیا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اندر فروتنی، عاجزی، انکساری محنت کشی اور تحمل کی عادت پیدا کرنے کی ازحد تاکید کی گئی۔ اپنے اسلاف میں اس کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ دور نہ جائیں ابھی سات آٹھ سال قبل اس عالم فانی سے رخصت ہونے والے اپنے ہی وطن کشمیر کے مایۂ ناز فرزند علامہ محمد صدیق کشمیریؒ کے بارے میں پڑھا ہے کہ صرف روٹی جیب میں لاکر رکھتے تھے۔ اور جونہی موقع ملتا کھا لیتے۔ یہی ان کی کل غذا تھی۔ اپنے وقت کی بچت کے پیش نظر سالن کے استعمال کو ترک ہی کر دیا۔ علمی دنیا نے انہیں امام النحو کا خطاب دیا تھا۔

امام جلیل امام ابوحنیفہؒ جنہیں دنیا امام اعظم کے نام سے پکارتی اور پہچانتی ہے کے بارے میں ان کے استاد حضرت حمادؒ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ امام صاحب ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے۔ دودھ، ترکاری لا کر دیتے اور بہت سارے کام کیا کرتے تھے۔ آج یہ حقیقت ہمارے سامنے ہے کہ حماد کے گھر کا یہ خادم تمام عالم کا مخدوم بن گیا۔

مشہور امام فخر الدینؒ کو مرو میں دیکھا گیا کہ بادشاہ ان کی بہت تعظیم کرتا اور آپ بار بار فرماتے کہ میں نے عزت اور سلطنت محض استاد کی خدمت سے پائی۔ کیونکہ میں اپنے استاذ قاضی امام ابوزید دبوسی کا تیس سال تک متواتر کھانا پکاتا رہا اور خود ادب کی وجہ سے اس میں سے کچھ بھی کھانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔

شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ ہم کو علم جو بھی حاصل ہوا اس میں علم کی عظمت کو بڑا دخل ہے۔ یہ کبھی کتاب کیا سادہ کاغذ کو بھی بغیر وضو کے نہیں چھوتے تھے۔

اپنے اسلاف کی یہ چند مثالیں تعلیم و تربیت کی آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اگر اسلام کی اسی قدر کو عام کیا جائے اور اسی پر عمل کی کوشش کی جائے تو دورِ حاضر کے تمام مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کیا اسٹرائکوں اساتذہ کرام کی بے حرمتیوں اور املاک کے نقصان کی بدعت جاری رہ سکتی ہے؟ پھر کیا مردم سازی اور علم دوستی کی وہ فضا دوبارہ عود نہیں کر سکتی جس پر معاشرے کی اصل بنیادیں تعمیر ہوتی ہیں اور جس کے نتیجے میں قابل تقلید سلطنتیں اور اچھوتے ماحول وجود میں آتے ہیں۔

۱۰.۲ ایثار | اسلام کی ایک اہم قدر ایثار ہے۔ پہلے تو ہر متنفس کا حق الگ الگ بیان کیا۔

وَاعبُدُوا اللّٰہ وَلا تُشرِکوا بِہٖ شَیئًا وَ بِالوالِدَینِ اِحسَانًا وَّ بِذی القُربٰی
والیتمٰی وَالمَسٰکِین وَالجَارِ ذی القُربٰی والجارِ الجُنب وَالصاحِبِ
بالجنب وابن السبیلِ وَمَا ملکت ایمانکُم (النساء پ۵)

اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور اہل قربت کے ساتھ بھی اور یتیموں، غریب غربا۔ پاس والے پڑوسی ہم مجلس، راہ گیر اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضے میں ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں کہ راہ گیروں تک کا حق بیان کیا گیا۔ پھر کچھ حقوق ایسے ہیں جو آپسی عقود اور معاملات کی وجہ سے لازم ہو جاتے ہیں۔ ان میں بھی اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ یہ عقود بھی آپسی تعلق اور محبت بڑھانے میں معاون ہوں۔ مثال کے طور پر کسی چیز کو بیچا جا رہا ہے گاہک اسے خریدنا چاہتا ہے۔ گاہک کی وقتی مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر ادھار خریدنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس بات کا پابند بنایا گیا کہ وقت معین کرے کیونکہ ادائیگی کا وقت متعین و معلوم ہوگا۔ تو کسی قسم کے تفرقے یا نزاع کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ ہر ایسا معاملہ جس میں نتیجۃً جھگڑے یا اختلاف کا امکان ہے۔ اس کو غلط قرار دیا جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی معلوم رہے کہ شریعت کے جزوی احکام بھی اپنے اندر مستقل اصولوں کو سموئے ہوئے ہیں اسی وجہ سے یہاں یہ اصول اس بات کو قرار دیا گیا کہ اجل مجہول پر (جس کی ادائیگی کا وقت معلوم نہ ہو) قرضہ دینا ناجائز ہے۔ بغرض حقوق چاہے کیسے بھی ہوں ان کی ادائیگی پر زبردست زور دیا گیا ہے۔

مشہور حدیث شریف ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ عرض کیا کہ ہم مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت، روٹی کپڑا اور مکان نہ ہو۔ فرمایا، نہیں وہ مفلس نہیں بلکہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز بہت سارے اعمال کے ساتھ حاضر ہوگا۔ لیکن اس نے بے شمار حقوق پامال کئے ہوں گے۔ حق داروں کے حقوق کے عوض میں جب اس کے اعمال تقسیم کئے جائیں گے تو اس کے تمام اعمال ختم ہو جائیں گے۔ لیکن لوگوں کے حقوق پھر بھی باقی رہیں گے۔ لہذا حق داروں کے گناہ بقدر حقوق اس کے اوپر لادے جائیں گے۔ جس سے یہ آخر کار جہنم رسید ہوگا۔ العیاذ باللہ منہ۔

حقوق کی ادائیگی پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ مزید ایثار کا حکم دیا گیا اور ایثار کرنے والوں کو سراہا گیا۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر پ ۲۸)

اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فاقے سے ہوں۔

ان اصولوں کے اثرات کیا ہوئے تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے۔ خود آقائے دوجہاں ایک موقع پر اعلان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی کا مجھ پر کوئی حق ہے یا کسی پر زیادتی ہوئی ہے تو وہ مجھ سے دنیا ہی میں بدلہ لے لے۔ ایک جاں نثار صحابیؓ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کیا تو پیارے نبیؐ نے مطالبے پر اپنے بدن مبارک سے کُرتہ ہٹا کر اس کے سامنے پیش کیا۔ اور اس صحابیؓ نے مہر نبوت کو چوم کر اپنی دلی مراد حاصل کر

لی۔ اور ایثار کی مثالیں تو زبان زد عوام و خواص ہیں۔

اس بات میں حضرت ابوجہم ابن حذیفہ رضؓ کی روایت ہی کافی ہے کہ یرموک کا معرکہ زوروں پر ہے۔ میدان کارزار گرم ہے پانی ساتھ لے کر ابوجہم اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کرنے کے بعد اس حال میں پاتے ہیں کہ وہ دم توڑ رہے ہیں۔ اور جانکنی شروع ہے جونہی پانی پلانے کا ارادہ کیا تو قریب سے کسی قریب المرگ نے آہ کی چچا زاد بھائی نے اشارہ کیا کہ پہلے انہیں پانی پلاؤ۔ ان کی خدمت میں پانی لے کر حاضر ہوئے، پلانا ہی چاہتے تھے کہ تیسرے کی آہ سنی۔ ان صاحب (جو حضرت ہشام ابن العاص رضؓ تھے) نے اسی آدمی کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ پانی لے کر وہاں پہنچے تو وہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ واپس پہلے دونوں صحابہؓ کے پاس آئے تو ان کی روحیں بھی پرواز کر چکی تھیں۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ آخری گھڑی میں ان اللہ کے پیاروں نے جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی لیکن ایثار کے اپنے نشان کو نہ چھوڑا۔ جذبۂ ایثار پیدا کرنے کے لیے ہی اموال میں غریبوں اور مستحق لوگوں کا حق زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ اور عشر وغیرہ کی صورت میں متعین کر دیا گیا۔ اور حتی الامکان غریبوں پر ایثار کے لیے تاکید کیا گیا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ اس طبقے کو سماج میں پس ماندہ، غریب اور کمزور ہونے کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اس کے لیے مختلف قسم کی صورتیں اختیار کی گئیں۔ ایک چھوٹی سی مثال پر غور فرمائیے۔

میوے کے درخت پر جب تک میوہ ظاہر نہ ہوا اور آفات سے محفوظ نہ ہو جائے تب تک مالک باغ کو فروخت نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب خود فروخت نہیں کر سکتا تو اس کی حفاظت کا انتظام کرے گا تاکہ نقصان سے میوہ محفوظ رہے اور یہ رکھوالی کرنے سے خود قاصر ہے لہٰذا لامحالہ اسے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ہے جو اس کے باغ کی رکھوالی کر سکے۔ اور یہ رکھوالی ایک غریب شخص ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح سے غریب کے لیے روزگار کی صورت پیدا کی گئی۔ یہیں سے وہ الزام بھی دور ہوتا ہے جو اسلام پر سرمایہ داری کی طرف داری کے سلسلے میں لگایا جاتا ہے۔ غریبوں کی رعایت تو اسلام میں اتنی ہے کہ صاحب ثروت پر ہی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بغیر مطالبے کے مستحقین تک ان کا حق پہنچا دے۔ کسی کے مانگنے کا انتظار نہ کرے۔ اگر کوئی مستحق مل گیا جس نے اس کا صدقہ یا زکوٰۃ قبول کیا۔ تو اس کا احسان مانے کہ اس نے قبول کر کے فریضے کی ادائیگی میں میرا تعاون کیا۔

ذرا غور فرمائیے! کس قدر حکمت اختیار کی گئی ہے۔ ساتھ ہی دور حاضر کے اس نظریے پر بھی نظر ڈالیے جو غریبوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کو اپنا مقام دلانے کے دعوے کر رہا ہے۔ کہ انہوں نے جو اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے سرمایہ دار اور غریب کے درمیان کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو کر دشمنی پر منتج ہوتی ہے اور باہمی اعتماد

ختم ہوجاتا ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے آپ نے دیکھ لیا کہ خود سرمایہ دار، غربت تک ان کا حق پہنچاتا ہے۔ پھر احسان مند بھی ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں اگر اسلام کی یہ قدر عام ہوجائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جائے تو کیا رشوت، ڈکیتی، چوری، دھوکہ دہی، حق تلفی اور لوٹ مار کا یہی دور دورہ رہے گا۔ جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا بے چینی، بداعتمادی، قتل وغارت گری اور معرکہ اور باہمی لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہے۔

۴۔ مساوات | اسلام کی ایک اہم قدر معاشرتی شعبے کا نظریۂ مساوات ہے۔ اسلام کی یہ قدر بھی غایم جامعیت اور حکمت کی حامل ہے۔ تمام انسانوں کی مساوات کا اعلان کرکے انسانیت کا سر اونچا کردیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

لافضل للعربی علی العجمی (الحدیث)

کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں۔

گویا قوم، نسل، رنگ اور ملک کی بنا پر کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہاں فضیلت اور شرف کا مدار تقویٰ ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (حجرات پ۲۶)

تم میں سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

ذات پات، چھوت چھات، قومیت اور رنگ ونسل کے امتیاز کو سرے سے ختم کردیا۔ اس موقع پر آپ یہ سوال کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی تو خاندان اور قبائل کا رواج ہے اور اسلام نے بھی ان پر کوئی نکیر نہیں کی، تو عرض کروں گا کہ اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے۔

جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (پ۲۶ حجرات)

کہ ہم نے خاندانوں اور قبائل میں تم کو تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

خاندانوں اور قبائل کا ہونا فی نفسہ ضروری تھا۔ ایک ہی گھر میں جب تین چار مرد موجود ہیں تو ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے نام الگ الگ رکھے جاتے ہیں۔ یہی فرق کے لئے کافی ہے۔ لیکن جب الگ محلے میں پہنچیں گے تو کئی شخصوں کے نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔ وہاں پر فرق خاندان کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اسی قصبوں اور شہروں کا رخ کریں تو قبائل کا اعتبار ہوگا۔ غرض یہ محض تعارف اور پہچان کا ذریعہ ہیں۔ پھر آپ یہ بھی اعتراض کرسکتے ہیں کہ اسلام نے نکاح میں کفو اور خاندان کا اعتبار کیا ہے۔ کیا یہ مساوات کے منافی نہیں ہے؟ میں جواباً کہوں گا، وہاں پر کفو کا اعتبار افضلیت کے سبب نہیں کیا گیا بلکہ ازدواجی زندگی کو آسان اور بہتر بنانے کے لئے ایک اہم ضرورت کی تکمیل کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس کفائت میں صنعت وحرفت، نسب، مہر ونفقہ (مال) اور دیانت کو ہی معتبر مانا گیا۔

غرض مزاج، رہن سہن اور طرز زندگی میں یکسانیت اور توافق پیدا کرنے کے لئے کفاءت کا اعتبار کیا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کی زندگی تلخ اور اجیرن بن جاتی۔ شریعت نے انسان کی فطرت کے عین مطابق یہ حکم جاری کیا ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو حالت ناگفتہ بہ ہوتی۔ اور ایک شادی شدہ جوڑے کو نازک مراحل سے دو چار ہونا پڑتا۔ رہا نفس ہنر کا معاملہ۔ تو اسلام نے نفس ہنر کو حقیر نہیں جانا۔ خود صاحب شریعت علیہ السلام نے اپنے جوتے گانٹھے۔ صحابہ کرام پتھر توڑتے۔ تجارت کرتے۔ محدثین اور مفسرین میں سے آپ کسی کو مٹھائی کا کاروبار کرنے والا، کسی کو عطریات کا اور کسی کو ٹوپی بننے والا پائیں گے۔ اگر کسی ہنر کی تحقیر کی جاتی تو یہ حضرات خود ان کو اختیار کیوں کرتے۔ اور ایسا الزام کون دے سکتا ہے کیونکہ اسلام نے اس نومسلم تک کو، جو قبل اسلام اپنے یہاں کسی ادنی سے ادنی خاندان سے رکھتا تھا سینے سے لگایا اس کا اکرام کیا۔ ابتدائے اسلام میں تو یہاں تک حکم تھا کہ غیر مسلم جس مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا اسی کے خاندان کا فرد شمار کیا جاتا حتیٰ کہ غلاموں کو، جن کو سوسائٹی میں درندوں اور پالتو جانوروں سے بھی ادنی تصور کیا جاتا تھا، گلے سے لگایا۔ ان کو اس ذلت سے رہائی دلانے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک قسم کھا کر توڑ دیتا ہے تو اس کا کفارہ شریعت میں غلام کو آزاد کرنا ہے۔

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
(مائدہ پ۷)

اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، وہ درمیانی کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنانا ہے۔ یا ایک غلام کو آزاد کرنا (مفہوم)

اسی طرح اگر کوئی ظہار کرتا ہے اور اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کفارہ میں سب سے پہلے غلام کو تلاش کرنا ہے۔ تاکہ اسکو آزاد کر کے کفارہ ادا کر سکے۔

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا ط
(مجادلہ پ۲۸)

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنے کہے کو توڑتے ہیں تو قبل اس کے ایک غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔
(مفہوم)

اگر کوئی روزہ رکھ کر توڑ دیتا ہے تو اس کا بھی کفارہ یہی ہے۔ غلام آزاد کرے۔ چنانچہ اسلام کی بدولت دنیا کا ٹھکرایا ہوا یہ طبقہ سلطنتوں پر بھی قابض ہوگیا۔ بڑے بڑے محدث، مفکر اور علماء ان میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ عبدالملک ایک مرتبہ حج کے لئے گئے۔ اس وقت کے مایہ ناز علماء میں سے امام زہری تھے۔

ان سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو عبدالملک نے سوال کیا کہ مکہ شریف میں اس وقت سب سے بڑے عالم کون ہیں؟ امام زہری نے موالی میں سے کسی کا نام بتایا۔ خلیفہ نے پوچھا۔ مدینہ منورہ ہے۔ تو جواب میں یہاں بھی کسی موالی کا نام بتایا۔ غرض تمام مشہور جگہوں کے بارے میں یہی جواب ملا۔ کہ وہاں کے امام وقت فلاں شخص ہیں جو (موالی) غلاموں میں سے ہیں۔

عبدالملک نے جب پوچھا کہ کوفہ میں کون ہے؟ تو امام زہری نے فرمایا کہ وہاں پر امام ابراہیم نخعی ہیں۔ پوچھا، یہ کس خاندان سے ہیں؟ جواب ملا قریش سے۔ بادشاہ نے ذرا سانس لیا اور کہا کہ میں تو سمجھنے لگا تھا کہ اب تو اس شرف سے موالی ہی مشرف ہیں۔ یہاں پر اس اشکال کا دور کرنا بھی ضروری ہے جو آپ حضرات کے ذہنوں میں اٹھ رہا ہوگا کہ مرد اور عورت کے تعلقات کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر شاید مساوات کے منافی ہے کیونکہ قرآن نے اعلان کیا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (نساء ۵) مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے۔

لیکن مرد اور عورت کے بارے میں اسلام نے جو حد بندیاں کی ہیں وہ مساوات کے منافی نہیں۔ بلکہ عین انصاف اور مساوات پر مبنی ہیں۔ ورنہ معاشرے میں عجیب قسم کی مطلق العنانیت پیدا ہو جاتی۔ نیز اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں ذرا مڑ کر دیکھنا ہوگا۔ کہ عام تہذیبوں اور مذاہب نے عورت کو کیا مقام دیا تھا اور اسلام نے اس بارے میں کیا حکم دیا۔

قدیم زمانے میں عورت کی حیثیت یہ تھی کہ اسے جوئے میں بلا تکلف ہرا دیا جاتا۔ شراب کے چند گھونٹوں کے لئے بطور معاوضہ عورت کی خرید و فروخت ایک سہل ترین تدبیر تھی۔ بلکہ عورت اس رنگ و بو میں ایک ایسی غلیظ چیز تھی جسے بے محابہ زندہ درگور کیا جاتا رہا۔ اس کو طفل نابالغ اور پاگلوں کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اسلامی نظریات پر توجہ کیجئے۔ اسلام نے عورت کے مقام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ یا عورت میں۔"

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تو ان کے دفاع کے لئے قرآن کریم میں سورت نازل ہوئی۔ نیز اس عورت کا واقعہ مشہور ہے جس کی شکایت پر پوری سورت مجادلہ نازل ہوئی۔ معصوم بچیوں کے قتل ناحق کو حرام قرار دیا گیا۔ ان کو عزت اور احترام کے ساتھ قیمتی سرمائے کی طرح پردے اور حفاظت میں رکھنے کی تاکید کی گئی۔ ان کو مرد کا زرخرید محکوم نہیں بلکہ مشیر رفیقہ حیات اور وزیر کا درجہ دیا گیا۔ یہ ہے عورت کی عزت، عظمت اسلام میں کہ خود خدائے کائنات ان کی معمولی گذارشات پر بھی اپنی رحمتوں

کے ساتھ متوجہ ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام ہی نے صنفِ نازک کو خاک سے طاق پر پہنچا دیا جب کہ اس صنفِ نازک کو دنیا کی قوموں نے بلندیوں سے پستیوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ بیوہ کے حق کو آج کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں بلکہ بعض قومیں بیوگی کو نحوست تصور کرتی ہیں۔ اسلام نے بیوہ کے ساتھ نکاح کو پسندیدہ قرار دیا۔ حضورؐ کی تمام ازدواج بیوہ تھیں۔ سوائے ایک کے۔

اسلام نے عورتوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا، ان کو اس منزل پر لا بٹھایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسلام کی چند اقدار کو نمونے کے طور پر آپ کے سامنے اجمالی طور پر پیش کیا گیا۔ اور اس ضمن میں کچھ جزئیات بھی آپ کے سامنے آئیں۔ یہ اقدار ہر زمانے میں رہی ہیں۔ اور رہتی آئی ہیں۔ آج کل بھی ان کا وجود ہے لیکن کم۔ اسی وجہ سے آج کی دنیا بے چین ہے۔ پوری انسانیت آج اطمینان اور سکون کی متلاشی ہے۔ سکون کے لیے سرگرداں اور حیران و پریشان ہے۔ کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے بین الاقوامی و ملکی اور ملی سطحوں پر کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ کہیں کونسلیں بنائی جا رہی ہیں اور کہیں مشاورتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن میں اتنا عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسائل نہ کانفرنسوں سے حل ہوں گے۔ نہ ظاہری معاہدوں سے بات بنے گی نہ مشاورتوں سے کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ بلکہ اگر دنیا کو چین اور سکون کی ضرورت ہے۔ گورے اور کالے کے اختلافات کو حل کرنا ہے ملکی اور غیر ملکی تنازع کو رفع کرنا ہے۔ ذات پات، چھوت چھات کے فرق کو مٹانا ہے۔ تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور یہ نسخہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ آزمودہ اور مجرب ہے۔ اور اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں کہ ان اسلامی اقدار کو اپنی اصلی صورت اور طرز کے ساتھ عام کیا جائے۔ اور ان کو اپنایا جائے۔ اب سے ہزار سال پہلے کے حالات کا آپ اندازہ لگائیں جب معاملات بھی محدود تھے، مواصلات بھی محدود، تعارف بھی محدود۔ ہر خطہ اور ہر بستی کی اپنی ایک الگ دنیا تھی۔ اس ماحول میں جب ان اقدار کو اپنایا گیا تو دنیا نے دیکھ لیا۔ اور ہم آپ سب جانتے ہیں کہ پوری دنیا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور امن و چین کی زندگی نصیب ہوئی۔ آج جب کہ مشرق و مغرب کا راستہ قریب سے قریب تر ہو چکا ہے۔ ہزاروں مہینوں کی مسافت طے کرنے کے لئے چند منٹ یا گھنٹے صرف ہوتے ہیں پوری دنیا مثل ایک گھر کے ہو گئی ہے۔ ایسے حالات میں ان اقدار کو زیادہ اپنانے کی ضرورت ہے اور زیادہ سے زیادہ ان پر عمل پیرا ہونے کی حاجت ہے تاکہ پوری دنیا اطمینان اور آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان اقدار کو ان کی اصلی حالت پر بغیر کسی ترمیم اور تغیر و تبدل کے اپنایا جائے کیونکہ یہ خود ہی کامل اور مکمل ہیں۔ اسلام کی وہ انسانی اقدار ہیں جن میں کسی مذہب فرقے یا قوم کا اختلاف تقریباً نہیں ہے۔ نہ ہی ان میں اجتہاد و تجدید کی ضرورت ہے اور نہ ہی قدامت و تجدد کا سوال ہے۔ ان امور کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کے سلسلے میں حسب ذیل

صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں ۔

۱۔ مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں اخلاقی تعلیم کو رائج کرانے کی کوششیں کی جائیں ۔

۲۔ پاکستان اور آزاد کشمیر میں تعلیم بالغاں (Adult Education) کا جو پروگرام چل رہا ہے اس میں بھی اس تعلیم کا انتظام کر دیا جائے ۔

۳۔ ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت میں ان چیزوں کو مؤثر اور مثبت پیرائے میں عوام کو سمجھانے کی کوشش کی جائے ۔

۴۔ سرکاری و غیر سرکاری تمام تعلیمی اداروں میں ہر مذہب کے طلبار کے لئے ان کے مذہب کے مطابق ایک ایک مستند و معتبر عالم کا تقرر کیا جائے ۔ جو ان کو مذہبی طور پر بھی ان کی جانب مائل کرے ۔

۵۔ ہر قصبہ یا محلے میں ایک ایک انجمن یا کمیٹی قائم ہو ۔ جس میں وہاں کے علمار اور حکمار کے علاوہ مقامی ذمہ داران کو شامل کیا جائے ۔ تاکہ ان امور کے نفاذ میں دشواری نہ ہو ۔ اور ان کمیٹیوں یا انجمنوں کی ضلعی، صوبائی اور قومی سطح پر ایک مرکزیت ہو جو کم از کم ہر ماہ ان انجمنوں اور عام معاشرے کے عملی کام کا جائزہ لیا کرے ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

بقیہ : حضرت اخوند درویزہ

اصلی کتاب بہت نایاب ہے ۔ آج کل یہ کتاب دو یا تین قلمی کتاب خانوں میں موجود ہے جس کا فارسی ترجمہ و تشریح خود اخوند درویزہ نے فرمایا ہے ۔ مگر ان اشعار کا پشتو ترجمہ جید عالم دین مولوی روح اللہ الحسینی الحنفی مدظلہ ساکن ماہزارہ تحصیل چارسدہ نے بھی کیا ہے ۔ اور یہ پشتو ترجمہ و تشریح اسلامی کتب خانہ بازار قصہ خوانی پشاور شہر نے شائع کیا ہے ۔

بہر حال حضرت اخوند درویزہ پشتو زبان کی نثر فنی یعنی مقفی اور مسجع عبارت کی ترقی دینے والوں میں سے ہیں ۔ آپ ایک خاص طرز کے بانی ہیں اور بایزید انصاری کے پیروؤں میں بھی ان کی طرز نگارش نے رواج پایا ہے لہذا پشتو ادب کی تاریخ میں وہ خود ، ان کے شاگرد اور ان کا خاندان اہمیت کا حامل ہے ۔

حضرت اخوند درویزہ نے اپنی تالیفات سے عوام الناس کو فائدہ پہنچایا اور اب بھی لوگ ان کی کتابوں سے فیض حاصل کرتے ہیں ۔ پشتو کے ایک مشہور شاعر حافظ الپوری المتوفی (۱۲۱۵ ھ) نے اس کا اظہار یوں فرمایا ہے

پښتو ته د دین لار اخوند دنړا کړه ‏ ‏ ‏ ‏ مردونز دي په ځان بار د منت زدي